اقبال: حیاتِ انسانی اور دانشِ نورانی

ڈاکٹر بصیرہ عنبرین
پروفیسر اُردو
اورینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

IQBAL: HUMAN LIFE AND DIVINELY WISDOM

Baseera Ambreen, PhD
Professor of Urdu
Punjab University Oriental College, Lahore

Abstract

Allama Iqbal's work is rich in wisdom and sagacity. Iqbal's prudence appears in his key concepts expressed both in prose and verse. He keenly observed the issues related to mankind. He not only observed them intensly but also presented remedial course of action against them. Plenty of places especially in his verse he presented his viewpoint to handle these issues amicably. Iqbal's wisdom is of divinely nature. His work has also tinge of psychological treatment. This article covers Iqbal's understanding of the human issues and their remedies in light of his poetry.

Keywords:
اقبال، لاہور، پاکستان، اردو، شاعری، فارسی، نفسیات، ضربِ کلیم، بانگ درا، حکمت، کائنات

کلام اقبال میں حکمت ودانش کے بے شمار جواہر ریزے ملتے ہیں۔اس میں کوئی شک نہیں کہ علامہ کی دانشِ نورانی کی حقیقی نمودان کے کلیدی تصورات کی صورت میں ہوئی اورانھوں نے اس ضمن میں متعدد ایسے بصیرت افروز نکات پیش کیے ہیں جن کا حیاتِ انسانی سے گہرا تعلق ہے۔حیاتِ انسانی پر اقبال کی عمیق نگاہی کا احساس ان کے کلام سے بخوبی ہوتا ہےاوران کے حکمت آمیز شعر پاروں میں جا بجا ایسی نکتہ آفرینیاں ملتی ہیں جہاں وہ خود اپنی زبانی یا مختلف شعری کرداروں کی وساطت سے متاثر کن انداز میں حکمت ودانش کی رمزیں وا کرتے چلے گئے ہیں۔ایجاز و بلاغت ایسے رمزیہ شعر پاروں کا وصفِ خاص ہے۔کمال تو یہ ہے کہ اقبال کی فکر بلیغ ایسے دانش آموز ابیات کی صورت میں ظہور کرتے ہوئے قطعاً خشک اور بے مزا نہیں لگتی بل کہ ہر کہیں پر لطف اور پر کشش معلوم ہوتی ہے۔علامہ کے ایسے تمام شعر پارے طرزِ ادا کے اعتبار سے نہایت جان دار ہیں اور اکثر منفرد وسائل شعری سے مزین ہونے کے باعث قابل ستائش ہیں۔اقبال کی پیش کردہ دانش اپنی نوعیت کے اعتبار سے خالصتاً نورانی ہے۔وہ مادیت پسند نہیں اور نہ ہی مادی مقاصد کے حصول کے لیے عزائم کو سینوں میں بیدار کرنے کے قائل ہیں۔ان کا کلام نفسیاتی ژرف بینی کے عناصر سے مملو ہونے کے باعث اکثر اوقات گہری علامتی معنویت سے ہم کنار ہوگیا ہے۔اس شاعرِ خودشناس کو خود اس امر کا ادراک ہے چناں چہ وہ اس حوالے سے تعلّی وتصلیف کے پیرایے میں توجہ دلاتے ہیں کہ شاعر کا دل کیفیتوں کا رستخیز ہے۔ اگر وہ سچی اور کھری بات کہے تو اس کے فیض سے مزرعِ زندگی ہری ہوجاتی ہے۔خون دل وجگر سے پرورش پانے والی سخنوری اہل زمین کو ''نسخہ زندگی دوام'' عطا کرتی ہےاور ایسے شاعر کے کلام میں یہ معجزاتی خصوصیت ہوتی ہے کہ وہ ''شعلہ آواز'' سے خرمنِ باطل کو جلا سکتا ہے۔اسی احساس کے تحت اقبال اکثر وبیش تر فخریہ لہجے میں اپنی شاعرانہ بصیرت کا اظہار کرتے ہیں۔ایسے مقامات پران کا آہنگ بلند ہےاوران کے کلام کی چھنکار اورللکار دیدنی ہے، جیسے:

جو ہے پردوں میں پنہاں چشمِ بینا دیکھ لیتی ہے زمانے کی طبیعت کا تقاضا دیکھ لیتی ہے(۱)

صفتِ برق چمکتا ہے مرا فکرِ بلند کہ بھٹکتے نہ پھریں ظلمتِ شب میں راہی(۲)

مجھے رازِ دو عالم دل کا آئینہ دکھاتا ہے وہی کہتا ہوں جو کچھ سامنے آنکھوں کے آتا ہے(۳)

چمن میں تلخ نوائی مری گوارا کر کہ زہر بھی کرتا ہے کبھی کارِ تریاقی(۴)

مری نوا سے ہوئے زندہ عارف و عامی دیا ہے میں نے انھیں ذوقِ آتش آشامی(۵)

اقبال کی دانشِ نورانی کے متعدد زاویے ہیں ۔کہیں یہ اخلاقی ونظریاتی بنیادیں رکھتی ہے تو کہیں اس کے دامن میں انسان کی ذہنی ونفسیاتی گرہوں کی عقدہ کشائی کرتے ہوئے شعر پارے دکھائی دیتے ہیں ۔ یہ حکمت آمیز کلام فلسفیانہ ومفکرانہ رنگ بھی رکھتا ہے اوراس کی شعری وفنی کرشمہ کاریوں سے بھی انکار نہیں ۔ یہ حقیقت ہے کہ حیاتِ انسانی پر علامہ کی گہری نظر تھی اوراس کی واضح ترنمودان کے عشق وخرد،فقر واستغنا اور خودی و بےخودی پر مبنی تصورات کی صورت میں ہوئی ۔اس کی مربوط ترین شکل ان کا تصورِ انسانِ کامل ہے اور اقبال نے ان سب کی آمیزش سے ایک ایسے نظامِ فکر کی تشکیل کی جس کا انسانی زندگی سے بالعموم اور حیاتِ مُسلم سے بالخصوص گہرا ربط ضبط ہے ۔ان کے فلسفیانہ وحکیمانہ تصورات کا فیضانِ خاص حکمت ودانش پر مبنی اُن رمزوں کی صورت میں ظاہر ہوا جہاں علامہ عمومی طور پر انسانی زندگی پر نظر ڈالتے ہیں اوراس کے نتیجے میں حیرت انگیز طور پر بےشمار حکمت آموز نکات پیش کرتے چلے جاتے ہیں ۔ان کے کلام میں جا بجا متعدد ایسے بصیرت افروز افکار موجود ہیں جہاں وہ اس قبیل کے حقائق سے باخبر کراتے ہیں کہ آئینِ قدرت اور اُسلوبِ فطرت یہی ہے کہ فرد راہِ عمل میں گام زن رہے، تبھی وہ محبوبِ فطرت ٹھہرتا ہے ۔ایک سچا اور کھرا انسان خاشاک کے تودے کو کوہِ دماوند نہیں کہہ سکتا، بے تگ ودو کسی کو کمال میسر نہیں آتا ،اسی لیے مہ نو ہر ایک مقام سے آگے گزر جاتا ہے ۔ کائنات کے ذرّے ذرّے میں ذوقِ آشکارائی کارفرما ہے، چناں چہ زمانے میں ایسے فرد کا نگیں جھوٹا ہے جو خودی کو پہچاننے اور پرکھنے سے قاصر ہو۔خارِ صحرا بھی اسی راز کی عقدہ کشائی کرتے ہیں کہ زندگی میں برہنہ پائی کا گلہ بےسُود ہے اور فرد کی شان اسی صورت میں قائم ودائم رہتی ہے جب وہ چمن میں وفورِ گل دیکھ کر قناعت شعار نہ ہو بل کہ اپنا دامن دراز تر کرتا چلا جائے کیوں کہ سختیِ منزل کو سامانِ سفر بنانا ضروری ہے ۔ اقبال کے اشعار دیکھیے:

یہ نیلگوں فضا جسے کہتے ہیں آسماں ہمت ہو پرکشا تو حقیقت میں کچھ نہیں
بالائے سر رہا تو ہے نام اس کا آسماں زیر پر آ گیا تو یہی آسماں ، زمیں!(٦)

نگاہ وہ نہیں جو سُرخ و زرد کو پہچانے نگاہ وہ ہے کہ محتاجِ مہر و ماہ نہیں(٧)

یہی آئینِ قدرت ہے، یہی اسلوبِ فطرت ہے جو ہے راہِ عمل میں گام زن، محبوبِ فطرت ہے(٨)

نہ ہو قناعت شعار گل چیں!اسی سے قائم ہے شانِ تیری فورِ گل ہے اگر چمن میں تو اور دامن دراز ہو جا(٩)

مشکل ہے اک بندۂ حق بین و حق اندیش خاشاک کے تودے کو کہے کوہِ دماوند(۱۰)

ہر اک مقام سے آگے نکل گیا مہ و نو کمال کس کو میسّر ہوا ہے بے تگ و دو(۱۱)

یہ کائنات چھپاتی نہیں ضمیر اپنا کہ ذرّے ذرّے میں ہے ذوقِ آشکارائی(۱۲)

زمانے میں جھوٹا ہے اس کا نگیں جو اپنی خودی کو پرکھتا نہیں(۱۳)

جو سخیِ منزل کو سامانِ سفر سمجھے اے وائے تن آسانی! ناپید ہے وہ راہی(۱۴)

فطرت افراد سے اِغماض بھی کر لیتی ہے کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف(۱۵)

انسان اور انسانی زندگی پر گہری نظر کے باعث اقبال ہر کہیں ایک نباض ماہر نفسیات دکھائی دیتے ہیں اور اکثر مقاماتِ زیست پر ان کے پیش کردہ شعر پارے فرد کی تحلیل نفسی کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔کلام اقبال نفسیاتی ژرف بینی کی ایک نادر مثال ہے جو ایک طرف مسلم ملت کی اصلاح وفلاح کے لیے باریک تر رمزیں لیے ہوئے ہے تو دوسری جانب عمومی طور پر بھی فرد کی ذہنی و نفسی کیفیات کی عقدہ کشائی کرتا ہے۔اقبال کے ایسے فکر انگیز ابیات فرد کی داخلی دنیا کو مزین اور مرتب کرتے ہیں اور ایسے بہت سے استفسارات کا جواب فراہم کرتے ہیں جو اکثر اوقات فرد کی ذہنی اور قلبی دنیا میں ہیجان برپا کیے رہتے ہیں۔اقبال فرد کی ایسی نفسیاتی گرہوں کو کھولتے اور حکمت کی باتیں دل میں اتارتے چلے جاتے ہیں، چند شعر دیکھیے:

یہ آبجو کی روانی، یہ ہمکناریِ خاک مری نگاہ میں نا خوب ہے یہ نظارہ
اُدھر نہ دیکھ، اِدھر دیکھ اے جوانِ عزیز بلند سوزِ دُروں سے ہوا ہے فوّارہ(۱۶)

جو دونیِ فطرت سے نہیں لائقِ پرواز اُس مرغکِ بیچارہ کا انجام ہے اُفتاد(۱۷)

دہقاں اگر نہ ہو تن آساں ہر دانہ ہے صد ہزار دانہ(۱۸)

اندازِ گفتگو نے دھوکے دیے ہیں ورنہ نغمہ ہے بوئے گل، بو پھول کی چہک ہے(۱۹)

جوانی ہے تو ذوقِ دید بھی، لطفِ تمنا بھی ہمارے گھر کی آبادی، قیامِ میہماں تک ہے(۲۰)

زندگی کی اوج گاہوں سے اتر آتے ہیں ہم صحبتِ مادر میں طفلِ سادہ رہ جاتے ہیں ہم(۲۱)

کبھی چھوڑی ہوئی منزل بھی یاد آتی ہے راہی کو کھٹک سی ہے جو سینے میں غمِ منزل نہ بن جائے(۲۲)

ہر حال میں میرا دلِ بے قید ہے خرم کیا چھینے گا غنچے سے کوئی ذوقِ شکر خند(۲۳)

بعض اوقات نفسیاتِ انسانی سے متعلق اقبال کے پیش کردہ یہ خردافروز پہلو فرد کی سماجی و معاشرتی سطح پر بھی رہ نمائی کرنے لگتے ہیں۔ کہنا چاہیے کہ علامہ کا کلام اجتماعی معاشرتی نظام کے تناظر میں بھی فرد کی تحلیلِ نفسی کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔ ان کے ہاں متعدد ایسے شعر پارے ملتے ہیں جو معاشرے کی مجموعی فضا کے تناظر میں فرد میں بلند حوصلگی اور عالی ظرفی کے جذبات انگیخت کرتے ہیں۔ بالخصوص ہمارا سماجی ڈھانچہ جھوٹ، تضاد اور منافقت کی دلدل میں جس بُری طرح دھنس چکا ہے، کلامِ اقبال ایسے ابتر معاشرتی نظام سے وابستہ فرد کو مثبت اور منفی سماجی اقدار کی تفریق سے نہ صرف آشنا کراتے ہیں بل کہ نہایت عمدگی سے اسے مثبت طرزِ حیات کو اپنانے کی ترغیب و تشویق دلاتے ہیں:

خدا وندا! یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں کہ درویشی بھی عیاری ہے، سلطانی بھی عیاری(۲۴)

وہ ملتفت ہوں تو کنجِ قفس بھی آزادی نہ ہوں تو صحنِ چمن بھی مقامِ مجبوری(۲۵)

کہے یہ راہ نما سے کہ چھوڑ دے مجھ کو یہ بات راہروِ نکتہ داں سے دُور نہیں(۲۶)

صاحبِ ساز کو لازم ہے کہ غافل نہ رہے گاہے گاہے غلط آہنگ بھی ہوتا ہے سروش(۲۷)

ہجوم کیوں ہے زیادہ شراب خانے میں فقط یہ بات کہ پیرِ مغاں ہے مردِ خلیق(۲۸)

مریدِ سادہ تو رو رو کے ہو گیا تائب خدا کرے کہ ملے شیخ کو بھی یہ توفیق(۲۹)

یوں بھی دستورِ گلستاں کو بدل سکتے ہیں کہ نشیمن ہو عنادل پہ گراں مثلِ قفس(۳۰)

گفتار کے اُسلوب پہ قابو نہیں رہتا جب روح کے اندر متلاطم ہوں خیالات(۳۱)

ممکن ہے کہ تو جس کو سمجھتا ہے بہاراں اوروں کی نگاہوں میں وہ موسم ہو خزاں کا(۳۲)

نہنگ زندہ ہے اپنے محیط میں آزاد نہنگ مُردہ کو موجِ سراب بھی زنجیر!(۳۳)

حفاظت پھول کی ممکن نہیں ہے اگر کانٹے میں ہو خوئے حریری(۳۴)

اقبال نفسیاتِ محبت سے بھی بخوبی آگاہ ہیں اور اس جذبے کی حقانیت کے پیشِ نظر اسے فرد کی فلاح کے لیے محترم ومقدم جانتے ہیں۔وہ اکثر اوقات اس امر سے آشنا کراتے ہیں کہ جذبہ محبت کائنات میں جاری وساری ہے اور محبت ہی سے کارخانۂ قدرت کے تمام تر رنگ قائم ودائم ہیں۔محبت فاتح عالم ہے۔یہ وہ مے ہے جسے نازک آبگینوں میں رکھا جاتا ہے،قرینۂ ادب اس کا پہلا قرینہ ہے اور یہ جذبہ آدمی کے ریشے ریشے میں یوں سما جاتا ہے جیسے شاخِ گل میں بادِ سحر گاہی کا نم سرایت کر جاتا ہے۔یہی وہ جذبۂ بلند ہے جو اقبال کے تصورِ عشق کی اساس ہے اور اسی سے زندگی میں تطہیر وتقدیس پیدا ہوتی ہے۔نفسیاتِ محبت کی رمزوں پر مبنی اقبال کے چند حکمت آمیز ابیات دیکھیے:

جفا جو عشق میں ہوتی ہے وہ جفا ہی نہیں ستم نہ ہو تو محبت میں کچھ مزا ہی نہیں(۳۵)

مہینے وصل کے گھڑیوں کی صورت اُڑتے جاتے ہیں مگر گھڑیاں جدائی کی گزرتی ہیں مہینوں میں(۳۶)

وہ ملتفت ہوں تو کنجِ قفس بھی آزادی نہ ہوں، تو صحنِ چمن بھی مقامِ مجبوری (۳۷)

ہوئی نہ عام جہاں میں کبھی حکومتِ عشق سبب یہ ہے کہ محبت زمانہ ساز نہیں(۳۸)

محبت کے لیے دل ڈھونڈ کوئی ٹوٹنے والا یہ وہ مے ہے جسے رکھتے ہیں نازک آبگینوں میں(۳۹)

خموش اے دل بھری محفل میں چلانا نہیں اچھا ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں(۴۰)

کیا عشق ایک زندگیِ مستعار کا کیا عشق پایدار سے ناپایدار کا(۴۱)

آدمی کے ریشے ریشے میں سما جاتا ہے عشق شاخِ گل میں جس طرح بادِ سحر گاہی کا نم(۴۲)

اقبال کے متعدد شعر پارے دانش آموز سماجی حقیقت نگاری کے آئینہ دار ہیں اور اپنے ہمراہ بے شمار اخلاقی ضابطے لیے ہوئے ہیں۔ایسے ابیات بعض اوقات طعن آمیز رنگ میں مرقوم ہیں اور ان میں اقبال کے طنزیہ اسلوب کی کاٹ بخوبی محسوس کی جاسکتی ہے۔یہ حقیقت ہے کہ سماجی دانش کی ذیل میں علامہ نے فرد کی

اخلاقیات کو ہر اعتبار سے مقدم سمجھا ہے ۔وہ اس امر کے قائل ہیں کہ چمن میں تربیتِ غنچہ قطعاً نہیں ہو سکتی جب تک قطرۂ شبنم ،شریک نسیم نہ ہو۔ بے شک زمانے کی ہوا ہر چیز کو خام رکھتی ہے لیکن فرد کو چاہیے کہ وہ اخلاقی پختگی کے لیے کدوکاوش ضرور کرتا رہے ۔اقبال فرد کی تربیت وتہذیب کے لیے بے شمار ایسے نکات پیش کر گئے ہیں جو حکمت کے اسرار لیے ہوئے ہیں ۔اقبال کی شاعری وصل کے اسباب پیدا کرتی ہے اور ان کے نزدیک ان کے فنِ شعر کا منشور یہی ہے کہ ان کی تحریر سے کسی کا دل نہ دکھے۔ چند دانش آموز اخلاقی ابیات دیکھیے جہاں اقبال بڑی عمدگی سے فرد کی رہ نمائی کر گئے ہیں:

فیضِ نظر کے لیے ضبطِ سخن چاہیے حرفِ پریشاں نہ کہہ اہلِ نظر کے حضور(۴۳)

وصل کے اسباب پیدا ہوں تری تحریر سے دیکھ! کوئی دل نہ دکھ جائے تری تقریر سے(۴۴)

قصاص خونِ تمنا کا مانگیے کس سے گناہ گار ہے کون، اور خوں بہا کیا ہے(۴۵)

رہے نہ روح میں پاکیزگی تو ہے ناپید ضمیرِ پاک و خیالِ بلند و ذوقِ لطیف(۴۶)

حیا نہیں ہے زمانے کی آنکھ میں باقی خدا کرے کہ جوانی تری رہے بے داغ(۴۷)

چمن میں تربیتِ غنچہ ہو نہیں سکتی نہیں ہے قطرۂ شبنم اگر شریکِ نسیم(۴۸)

ہو فکر اگر خام تو آزادیِ افکار انسان کو حیوان بنانے کا طریقہ(۴۹)

کیا ہے تجھ کو کتابوں نے کور ذوق اتنا صبا سے بھی نہ ملا تجھ کو بوئے گل کا سراغ(۵۰)

الفاظ کے پیچوں میں الجھتے نہیں دانا غواص کو مطلب ہے صدف سے کہ گہر سے(۵۱)

یہاں کلامِ اقبال کے تنبیہی رنگ کا ذکر ناگزیر ہے جسے علامہ نے فرد کی اصلاح کے لیے جا بجا اپنایا ہے اور جو حیاتِ انسانی میں تبدیلی اور ترقی کے لیے جزوِ لازم بھی ہے ۔انسان فطری طور پر تنبیہ وملامت کے نتیجے میں سدھرنے کے امکانات رکھتا ہے ۔علامہ اس فطری امر سے باخبر ہیں اور ایسے فکر انگیز ابیات پیش کر گئے ہیں جو بہت حد تک زجر وتوبیخ سے عبارت ہیں لیکن اس کے نتیجے میں حیاتِ انسانی کی اصلاح ممکن ہے ۔اس میں کوئی دوسری رائے نہیں کہ کلامِ اقبال لہجوں کے تنوعات کے باعث اپنے اصلاحی اور نصیحت آموز

پیرایے میں یکسانیت سے بچ جاتا ہے۔چناں چہ ان کے ہاں کہیں ایسا مقام مطلق دکھائی نہیں دیتا کہ ان کے ناصحانہ اشعار قاری پر گراں گزریں۔اقبال فرد کی ذہنی دنیاؤں کی تفہیم وتعبیر کی صلاحیت رکھتے ہیں اور بڑی ذہانت سے حیاتِ انسانی کو ایک نئی اور پرکشش دنیائے دانش میں داخل کر دیتے ہیں،ابیات ملاحظہ کیجیے:

یہ دور نکتہ چیں ہے کہیں چھپ کے بیٹھ رہ جس دل میں تو مکیں ہے،وہیں چھپ کے بیٹھ رہ(۵۲)

نہ ہو طبیعت ہی جن کی قابل،وہ تربیت سے نہیں سنورتے ہُوا نہ سرسبز رہ کے پانی میں عکس سروِ کنار جو کا(۵۳)

نا اہل کو حاصل ہے کبھی قوت و جبروت ہے خوار زمانے میں کبھی جوہر ذاتی(۵۴)

معلوم نہیں، ہے یہ خوشامد کہ حقیقت کہہ دے کوئی اُلو کو اگر رات کا شہباز(۵۵)

بڑھ جاتا ہے جب ذوقِ نظر اپنی حدوں سے ہو جاتے ہیں افکار پراگندہ و ابتر(۵۶)

فطرت کے تقاضوں پہ نہ کر راہِ عمل بند مقصود ہے کچھ اور ہی تسلیم و رضا کا(۵۷)

پختہ افکار کہاں ڈھونڈنے جائے کوئی اس زمانے کی ہوا رکھتی ہے ہر چیز کو خام(۵۸)

سرما کی ہواؤں میں ہے عریاں بدن اس کا دیتا ہے ہنر جس کا امیروں کو دو شالہ(۵۹)

نفس کے زور سے وہ غنچہ وا ہُوا بھی تو کیا جسے نصیب نہیں آفتاب کا پرتو(۶۰)

امید نہ رکھ دولتِ دنیا سے وفا کی رم اس کی طبیعت میں ہے مانندِ غزالہ(۶۱)

اللہ کی دین ہے جسے دے میراث نہیں بلند نامی(۶۲)

حیاتِ انسانی سے متعلق اقبال کے یہ دانش آموز شعر پارے نفسیاتی وسماجی پہلوؤں کے ساتھ ساتھ خالص فلسفیانہ ومفکرانہ رنگ سے ہم آہنگ ہیں۔اس سلسلے میں ان کا پیش کردہ مخصوص نظام فکر وفلسفہ سرِفہرست ہے لیکن اس سے ہٹ کر بھی دیکھیں تو ان کے ہاں عمومی دانش کی متعدد جھلکیاں ملتی ہیں۔وہ گل کی پتی میں رازِ ہست وبود دیکھنے کے قائل ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ فرد کے اشرف المخلوقات ہونے کی قوی دلیل ہے۔

حیاتِ انسانی سے متعلق اقبال کی دانش نورانی کے یہ نکات دو گونہ لذت رکھتے ہیں۔ایک تو موضوعاتی حوالے سے ان کا اظہار خالص علمی وفلسفیانہ رنگ وآہنگ میں ہوا ہے دوسرے یہ دانش آموز رمزیں دل کش پیرایہ بیان کی حامل ہیں۔ذیل کے اشعار میں پُرکشش اسلوب میں مرقوم اقبال کے حکمت آموز فلسفے کی جھلکیاں دیکھی جاسکتی ہیں جہاں علامہ خدا،فرد اور کائنات کی مثلث کو پیش نظر رکھتے ہوئے نو بہ نو خیالات پیش کر گئے ہیں:

علم کے حیرت کدے میں ہے کہاں اس کی نمود! گل کی پتی میں نظر آتا ہے رازِ ہست و بود(۶۳)

زندگی وہ ہے کہ جو ہو نہ شناسائے اجل کیا وہ جینا کہ ہو جس میں تقاضائے اجل(۶۴)

ایک ہی قانونِ عالم گیر کے ہیں سب اثر بوئے گل کا باغ سے،گل چیں کا دنیا سے سفر(۶۵)

زندگانی جس کو کہتے ہیں فراموشی ہے یہ خواب ہے،غفلت ہے،سرمستی ہے،خاموشی ہے یہ(۶۶)

سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں(۶۷)

ہے خواب ثباتِ آشنائی آئین جہاں کا ہے جدائی(۶۸)

موت ہر شاہ و گدا کے خواب کی تعبیر ہے اس ستم گر کا ستم انصاف کی تصویر ہے(۶۹)

ہے نگینِ دہر کی زینت ہمیشہ نامِ نو مادرِ گیتی رہی آبستنِ اقوامِ نو(۷۰)

طائرِ دل کے لیے غم شہپرِ پرواز ہے راز ہے انساں کا دل،غم انکشافِ راز ہے(۷۱)

غضب ہے، عین کرم میں بخیل ہے فطرت کہ لعلِ ناب میں آتش تو ہے، شرارہ نہیں(۷۲)

عیشِ منزل ہے غریبانِ محبت پہ حرام سب مسافر ہیں، بظاہر نظر آتے ہیں مقیم(۷۳)

اس میں کوئی شک نہیں کہ جہاں ایک جانب افکار اقبال اس انداز کے متنوع دانش آموز پہلوؤں کے حامل ہیں وہیں اس شاعرِ معجز بیان کے کلام میں شعری وفنی رموز کی شمولیت نے خاصی جدت پیدا کر رکھی ہے۔کمال تو یہ کہ اقبال کا کلام نو بہ نو محسناتِ شعری سے آراستہ وپیراستہ ہونے کے باوصف بے ساختگی، جدت

اور روانی سے ہم کنار ہے۔حیاتِ انسانی سے متعلق دانش آموز فکریات کی پیش کش کرتے ہوئے یہ پہلو ہر کہیں مقدم رہتا ہے اور اکثر مقامات پر اقبال کے فکر انگیز نکات محسّناتِ شعری سے مزین ہو کر شعریت و رمزیت کے حامل ہو گئے ہیں۔بلاغت شعر کے دیگر محاسن اپنی جگہ، موضوع زیر بحث کے ضمن میں خصوصیت کے ساتھ تمثیل اور علامت کی رنگ آمیزی علامہ کے دانش آموز ابیات کو گہری معنویت سے ہم کنار کرتی نظر آتی ہے۔یہ علامہ کا خاص اسلوب ہے کہ وہ حیاتِ انسانی سے متعلق مسائل کی گرہیں کھولتے ہوئے یا تو تشبیہ تمثیل سے استفادہ کرتے ہیں، یا رموز و علائم کے اچھوتے استعمال سے اپنے شعر پاروں میں وسعت و گہرائی کے عناصر پیدا کر گئے ہیں۔کہنا چاہیے کہ جن شعر پاروں میں تمثیل اور علامت کا اشتراک ہے، ان کی لذت دوگونہ ہو گئی ہے کہ ایسی صورت میں نہ صرف اقبال کے نقطہ نظر کی ترسیل و تفہیم ہو جاتی ہے بل کہ کلام میں دلالت کے عناصر ابھرتے ہیں۔مثالاً اقبال کے ایسے خرد افروز مثالیہ و علامتی رنگ کے عکاس ابیات ملاحظہ کیجیے:

چمک سورج میں کیا باقی رہے گی اگر بیزار ہو اپنی کرن سے(۷۴)

فقط نگاہ سے ہوتا ہے فیصلہ دل کا نہ ہو نگاہ میں شوخی تو دلبری کیا ہے!(۷۵)

براہیمی نظر پیدا مگر مشکل سے ہوتی ہے ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنا لیتی ہے تصویریں(۷۶)

سمجھا لہو کی بوند اگر تُو اسے تو خیر دل آدمی کا ہے فقط اک جذبۂ بلند(۷۷)

مبتلائے درد کوئی عضو ہو روتی ہے آنکھ کس قدر ہمدرد سارے جسم کی ہوتی ہے آنکھ(۷۸)

بنیاد لرز جائے جو دیوارِ چمن کی ظاہر ہے کہ انجامِ گلستاں کا ہے آغاز(۷۹)

مشامِ تیز سے ملتا ہے صحرا میں نشاں اس کا ظن و تخمیں سے ہاتھ آتا نہیں آہوئے تاتاری(۸۰)

موجوں کی تپش کیا ہے، فقط ذوقِ طلب ہے پنہاں جو صدف میں ہے، وہ دولت ہے خداداد(۸۱)

ستارگانِ فضا ہائے نیلگوں کی طرح تخیلات بھی ہیں تابعِ طلوع و غروب(۸۲)

فولاد کہاں رہتا ہے شمشیر کے لائق پیدا ہو اگر اس کی طبیعت میں حریری(۸۳)

مردِ بے حوصلہ کرتا ہے زمانے کا گلہ بندۂ حُر کے لیے نشترِ تقدیر ہے نوش!(۸۴)

ہے ساز پہ موقوف نوا ہائے جگر سوز ڈھیلے ہوں اگر تار تو بیکار ہے مضراب(۸۵)

یہ دنیا دعوے دار ہے فرزندِ آدم کو کہ ہر مستور کا بخشا گیا ہے ذوقِ عریانی(۸۶)

تو ضمیرِ آسماں سے ابھی آشنا نہیں ہے نہیں بے قرار کرتا تجھے غمزۂ ستارہ(۸۷)

حیاتِ انسانی کو دانشِ نورانی سے ہم کنار کراتے ہوئے علامہ اکثر اوقات بلند آہنگی کے استمداد سے معنی آفرینی کر گئے ہیں۔ بلند آہنگی اقبال کا کلیدی آہنگ ہے جو اپنی نہج کے اعتبار سے اقبال کے تمام تر تصورات کی بنیاد بھی ہے اور ان کے لیے قوت و حرکت کا باعث بھی ___ کلامِ اقبال میں مخاطبت کا پہلو کمال درجے کے شکوہ اور طنطنے کا حامل ہے اور علامہ نے بڑی مہارت سے بلند آہنگی کے وصف کو تلقینِ عمل کے لیے مستعار لیا ہے۔ اقبال فطری طور پر بھی خطابت کا ذوق رکھتے تھے، چناں چہ حیاتِ انسانی کی اصلاح کے لیے ان کے کلام میں جا بجا تخاطب کی ضمیروں سے فرد کو دانش آموز نکات کی جانب متوجہ کیا گیا ہے۔ اقبال کا اعتماد نفس، بلند گویائی اور تحرک و حرارت مخاطبین میں اوصافِ جلیلہ پیدا کرنے پر قادر ہے۔ ایسے چند ابیات دیکھیے:

اے لآ الٰہ کے وارث! باقی نہیں ہے تجھ میں گفتارِ دلبرانہ، کردارِ قاہرانہ(۸۸)

اے شیخ، امیروں کو مسجد سے نکلوا دے ہے ان کی نمازوں سے محراب ترش ابرو(۸۹)

اے رہروِ فرزانہ، رستے میں اگر تیرے گلشن ہے تو شبنم ہو، صحرا ہے تو طوفاں ہو(۹۰)

دریا میں موتی، اے موجِ بے باک! ساحل کی سوغات؟ خار و خس و خاک(۹۱)

تو اپنی سرنوشت اب اپنے قلم سے لکھ خالی رکھی ہے خامۂ حق نے تری جبیں(۹۲)

ترا بحر پُرسکوں ہے، یہ سکوں ہے یا فسوں ہے؟ نہ نہنگ ہے نہ طوفاں، نہ خرابیِ کنارہ!(۹۳)

حقیقت یہ ہے کہ کلامِ اقبال میں دانشِ نورانی پر مبنی بے شمار نکات ملتے ہیں جو فرد کی اصلاح و فلاح کے جذبے کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے مرقوم ہوئے۔ یہ نہ صرف شاعر کے اخلاص اور نیک نیتی پر دلالت کرتے

ہیں بل کہ خالص حکیمانہ زاویے سے دیکھیں تو ان میں فرد کی نفسیات کو مدِنظر رکھتے ہوئے حیاتِ انسانی کے متعدد پہلوؤں کے حوالے سے رہ نمائی کا فریضہ انجام دیا گیا ہے۔ اقبال شاعرِ تحرک اور انقلاب ہیں اور حیات کی معنویت سے بخوبی آگاہ ہونے کے باعث اس میں اصلاح و تغیر کے امکانات محسوس کرتے ہیں۔ وہ زندگی کی قدر و قیمت کے حقیقی پارکھ ہیں، یہی وجہ ہے کہ اُردو کے ساتھ ساتھ فارسی کلام میں بھی جا بجا فرد کو نہ صرف حیاتِ انسانی کی حقیقی معنویت سے آگاہ کراتے ہیں بل کہ زندگی میں تغیر و تبدل پر اکساتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ اس کارِ خیر سے ان کا مقصد فقط یہ ہے کہ حیاتِ انسانی کو دانشِ نورانی سے ہم کنار کیا جائے۔ آخر میں علامہ کے فارسی کلام سے چند دانش آموز اشعار ملاحظہ کیجیے:

زندگانی سوختن با ساختن در گلے تخمِ دلے انداختن!(۹۴)

این و آں پیداست از رفتارِ وقت زندگی سرّیست از اسرارِ وقت(۹۵)

بندۂ حق بندۂ اسباب نیست زندگانی گردشِ دولاب نیست(۹۶)

اے برادر من ترا از زندگی دادم نشاں خواب را مرگِ سبک داں مرگ را خوابِ گراں(۹۷)

گرچہ میدانم خیالِ منزل ایجادِ من است در سفر از پا نشستن ہمتِ مردانہ نیست(۹۸)

زندگی محکم ز تسلیم و رضاست موت نیرنج و طلسم و سیمیاست!(۹۹)

زندگی بر آرزو دارد اساس خویش را از آرزوئے خود شناس(۱۰۰)

حیاتِ جاوداں اندر یقین است رہِ تخمین و ظن گیری ، بمیری !(۱۰۱)

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) بانگِ درا، مشمولہ، کلیات اقبال ، اردو، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز ۱۹۷۲ء، ص ۷۲

(۲) بالِ جبریل، ص ۷۶

(۳) بانگِ درا، ص ۷۰

(۴) بال جبریل، ص ۶۶

(۵) بال جبریل، ص ۷۳

(۶) ضربِ کلیم، ص ۱۷۶

(۷) ایضاً، ص ۱۷۷

(۸) بانگِ درا، ص ۷۱

(۹) بانگِ درا، ص ۱۳۰

(۱۰) ایضاً، ص ۲۱

(۱۱) بالِ جبریل، ص ۷۴

(۱۲) ایضاً، ص ۱۱۱

(۱۳) ایضاً، ص ۱۵۲

(۱۴) ضربِ کلیم، ص ۱۷۴

(۱۵) ایضاً، ص ۸۶

(۱۶) ایضاً، ص ۱۲۷

(۱۷) بال جبریل، ص ۱۶۸

(۱۸) ضربِ کلیم، ص ۸۷

(۱۹) بانگِ درا، ص ۸۵

(۲۰) ایضاً، ص ۱۰۲

(۲۱) ایضاً، ص ۲۲۸

(۲۲) بال جبریل، ص ۱۰

(۲۳) بال جبریل، ص ۲۱

(۲۴) بال جبریل، ص ۳۷

(۲۵) ایضاً، ص ۴۲

(۲۶) ایضاً، ص ۵۰

(۲۷) ایضاً، ص ۷۵

(۲۸) بال جبریل، ص ۳۴

(۲۹) ایضاً، ص ۳۴

(۳۰) بال جبریل، ص ۱۷۰

(۳۱) بال جبریل، ص ۱۰۷

(۳۲) ضربِ کلیم، ص ۱۹

(۳۳) بال جبریل، ص ۷۶

(۳۴) بال جبریل، ص ۸۷

(۳۵) بانگِ درا، ص ۸۰

(۳۶) ایضاً، ص ۱۰۳

(۳۷) بال جبریل، ص ۴۲

(۳۸) بال جبریل، ص ۳۸

(۳۹) بانگِ درا، ص ۱۰۴

(۴۰) ایضاً، ص ۱۰۵

(۴۱) بال جبریل، ص ۹

(۴۲) ایضاً، ص ۳۲

(۴۳) ضربِ کلیم، ص ۵۲

(۴۴) بانگِ درا، ص ۵۲

(۴۵) ارمغانِ حجاز، ص ۴۵

(۴۶) ضربِ کلیم، ص ۷۱

(۴۷) بال جبریل، ص ۱۱۶

(۴۸) ضربِ کلیم، ص ۲۶

(۴۹) ضربِ کلیم، ص ۷۶

(۵۰) ایضاً، ص ۸۵

(۵۱) ایضاً، ص ۴۲

(۵۲) بانگِ درا،ص۵۰
(۵۳) ایضاً،ص۱۳۶
(۵۴) ضربِ کلیم،ص۲۶
(۵۵) ایضاً،ص۱۳۸
(۵۶) ایضاً،ص۹۴
(۵۷) ضربِ کلیم،ص۵۲
(۵۸) ضربِ کلیم،ص۸۱
(۵۹) ارمغانِ حجاز،ص۴۵
(۶۰) بالِ جبریل،ص۷۴
(۶۱) ارمغانِ حجاز،ص۴۵
(۶۲) ضربِ کلیم،ص۸۸
(۶۳) بانگِ درا،ص۶۵
(۶۴) ایضاً،ص۸۶
(۶۵) ایضاً،ص۹۰
(۶۶) ایضاً،ص۹۳
(۶۷) ایضاً،ص۱۴۸
(۶۸) ایضاً،ص۱۴۸
(۶۹) ایضاً،ص۱۵۱
(۷۰) ایضاً،ص۱۵۱
(۷۱) ایضاً،ص۱۵۶
(۷۲) بالِ جبریل،ص۴۴
(۷۳) ایضاً،ص۶۱
(۷۴) بالِ جبریل،ص۸۷
(۷۵) بالِ جبریل،ص۴۸
(۷۶) بانگِ درا،ص۲۷۱
(۷۷) ارمغانِ حجاز،ص۳۹
(۷۸) بانگِ درا،ص۶۱
(۷۹) بانگِ درا،ص۲۴۵
(۸۰) بالِ جبریل،ص۳۷
(۸۱) ضربِ کلیم،ص۷۲
(۸۲) ایضاً،ص۷۹
(۸۳) ایضاً،ص۱۷۴
(۸۴) ضربِ کلیم،ص۷۲
(۸۵) ارمغانِ حجاز،ص۳۴
(۸۶) ضربِ کلیم،ص۱۷۴
(۸۷) ایضاً،ص۳۴
(۸۸) بانگِ درا،ص۲۶۲
(۸۹) بالِ جبریل،ص۵۴
(۹۰) بانگِ درا،ص۲۸۰
(۹۱) ضربِ کلیم،ص۱۱۳
(۹۲) ضربِ کلیم،ص۱۷۶
(۹۳) ضربِ کلیم،ص۳۶
(۹۴) جاوید نامہ،مشمولہ، کلیات اقبال (فارسی)،لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز،۱۹۹۰ء،ص ۶۵
(۹۵) اسرارِ خودی،ص۷۲
(۹۶) رموزِ بے خودی،ص۱۵۸
(۹۷)) پیامِ مشرق،ص۲۲۰
(۹۸) زبورِ عجم،ص۲۶
(۹۹) جاوید نامہ،ص۱۸۵
(۱۰۰) پس چہ باید کرد اے اقوام شرق،ص۶۰
(۱۰۱) ارمغانِ حجاز،ص۱۱۰